مولانا رشید اختر ندوی

عباسیوں کے عہد میں تجارتی ترقّی

جب کسی ملک کی صنعتی زندگی عروج پر پہنچتی ہے، تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی تجارت خُوب بڑھتی ہے خصوصیت سے ایسے حالات میں جبکہ اس ملک کی مالی واقتصادی حالت بہت بہتر ہوتی ہے جبکہ اس کے بادشاہ اور امیر خرّاج اور شوقین ہوتے ہیں، تو دنیا جہاں کا سامان ان تک پہنچتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عباسیوں کے عروج کے وقت بغداد، اس وقت کی دُنیا کا سب سے بڑا تجارتی مرکز تھا۔ ابوجعفر منصور نے جب اس شہر کی بنا رکھی تھی، تو اس وقت اس کے بازار دُنیا بھر کے سامان کے مخزن بن گئے تھے۔ الیعقوبی نے جب کتاب البلدان لکھی، تو بغداد کا سب سے بڑا تجارتی مرکز الکرخ تھا۔

کرخ میں ہر نوع اور ہر قسم کے سامان کے بازار جُدا جُدا تھے۔ کپڑے کے بازار میں صرف کپڑے کی تجارت ہوتی، لوہے کے بازار میں صرف لوہا بکتا۔ جو لوگ لکڑی کا کام کرتے، ان کی بستی الگ تھی۔ جو چمڑے کا سامان بیچتے انہوں نے اپنا بازار الگ بسایا تھا۔ اسی طرح صرّاف، اوراق، کتاب بیچنے والے، گوشت فروش، سبزی والے، الگ الگ حصّوں میں اپنا سامان فروخت کرتے۔ شروع ہی سے جب کرخ آباد ہوا، تو اسی وقت یہ تقسیم کردی گئی تھی۔ اسی وقت ہر پیشہ کے تاجروں اور صنّاعوں نے اپنے لئے ایک جگہ مخصوص کرلی تھی۔ بیرونی تاجروں کی آمد جب اس شہر میں شروع ہوئی، تو انہوں نے اپنے لئے الگ بازار بسائے۔ مثلاً شامیوں نے سوق باب الشّام آباد کیا۔ اہلِ بلخ، اہل مرو، اہل الختل، اہلِ بخاریٰ، اہلِ کابل، اور اہلِ خوارزم نے اپنے بازار الگ قائم کئے، اور اس طرح محلّہ حربیہ بیرونی تاجروں کی سب سے بڑی منڈی بن گیا۔

بڑے تاجروں نے اپنی بڑائی کے سبب بغداد کی جانب شرقی باب الطاق میں اپنی عظیم الشان دُکانیں سجائیں۔ یہ بازار مرکزی پُل کے متصل تھا۔ اس سے ملے ہوئے دُو اور بازار تھے۔ جہاں عطریات اور خوشبوؤں کی دوکانیں تھیں۔ جہاں رنگ رنگ کے پھُول بکتے۔ ان سے پیچھے کھانے کا بازار تھا، جہاں قسم قسم کے کھانے ہر وقت تیار ملتے۔ اس کے بعد میں مختلف صنّاعوں کے بازار تھے۔ پھر دواتوں کی دوکانیں تھیں، پھر سوقِ صافہ تھا۔

بغداد کے بعد تجارت کا سب سے بڑا مرکز بصرہ تھا۔ مشرق کے تمام ملکوں کا سامان بصرہ کے ذریعہ عراق میں داخل ہوتا۔ مختلف ملکوں کی تجارتی کشتیاں ہر آن بصرہ کے ساحل پر لنگر انداز رہتیں۔ جن میں بصرہ اور دوسرے ملکوں کے تاجروں کے سامان لدے ہوتے۔ بصرہ کے تاجر بڑی ہمّت والے تھے۔ وہ دنیا جہاں میں پہنچتے اور وہاں کا سامان خرید کر بصرہ لاتے، اور پھر عراق میں گھوم جاتے۔ ابن الفقیہ کہتا ہے کہ سوسی اقصیٰ و فرغانہ جہاں کہیں بھی آپ جائیں گے، بصری اور حمیری تاجر پائیں گے۔

بصرہ کی سب سے بڑی منڈی المربد تھی، یہ منڈی خلفائے راشدین کے دور سے لے کر عباسیوں تک بڑی اہم رہی۔ یہی وہ منڈی تھی جہاں الاغانی کے بیان کے مطابق بریر و فرزدق کے مقابلے ہوا کرتے تھے۔ خلفائے راشدین کے عہد میں یہ کھجوروں، اونٹوں، دوسرے جانوروں اور اسلحہ کا بازار تھا۔ اموی دور میں اس نے ادبی مرکز کی حیثیت حاصل کر لی۔ عباسیوں کا زمانہ جب آیا، تو یہ ایک مخلوط بازار بن گیا۔ یہ چونکہ صحراء کے کونے پر تھا، اس لئے یہاں زیادہ تر وہ سامان بکتا جو صحرا نشینوں کی پسند کا ہوتا۔

الابلہ بصرہ کا دوسرا بڑا بازار تھا، جو نہر الابلہ کے کنارے پر بنا تھا۔ یہاں تجارتی کشتیاں آن کر ٹھہرتیں، اور وہیں سے ان کا سامان اس منڈی میں پہنچتا۔

عام کاروبار اور خرید و فروخت کے مرکز عموماً تین تھے۔ سوقِ خزاعہ، سوقِ عثمان اور سوقِ قدامین صبح کے وقت سوقِ خزاعہ لگتا۔ دوپہر کو سوقِ عثمان اور شام کو سوقِ قدامین۔

بصرہ کے بعد موصل کا نمبر تھا۔ ابن حوقل نے ۳۵۸ھ میں یہ شہر دیکھا اور اسے ایک بڑی تجارتی منڈی قرار دیا۔ ہر چیز کے بازار کئی کئی تھے، ہر بازار میں سو سو دکانیں تھیں۔

موصل کو اس وجہ سے بھی بڑی اہمیت حاصل ہوئی کہ یہ آذربی جان، شام، آرمینیہ اور جنوبی عراق سے آمد و رفت کا ذریعہ تھا۔ ان تمام علاقوں کی سڑکیں یہاں پہنچتیں۔ یاقوت موصل کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے۔ کہ یہ بابِ عراق مفتاح خراسان اور راس طریقِ آذربی جان ہے۔

معتصم سے لے کر المعتمد تک سامراء بھی ایک بڑی تجارتی منڈی رہی۔ دارالخلافہ ہونے کے سبب وہاں عراق کے بہت سے تاجران آباد ہوئے تھے۔ الیعقوبی سامراء کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے، کہ چوتھی صدی ہجری میں اس کی تجارتی اہمیت بہت کم ہو گئی تھی۔ جب تک دارالخلافہ رہا، اس وقت بھی اس کی زیادہ تجارت داخلی تھی۔ اس وقت بھی خارجی تجارت کے بڑے مرکز بغداد اور بصرہ تھے۔

عباسی دور میں گو کوفہ کو کوئی بڑی سیاسی اہمیت حاصل نہ تھی۔ لیکن چونکہ اس وقت بھی حاجیوں کے قافلے حج کے لئے اسی کی راہ سے مکہ جاتے، اسی لئے وہ ایک اچھا خاصہ تجارتی مرکز تھا۔ اس کے تجارتی مرکز ہونے کی ایک اور وجہ یہ تھی کہ وہاں کپڑا بننے کے بہت کارخانے تھے۔ وہاں بہت عمدہ قسم کا اونی اور ریشمی مخلوط کپڑا تیار ہوتا۔ جس کی شہرت تمام مملکت میں پھیلی ہوئی تھی۔

قدامہ، المقدسی، جاحظ، الثعالبی، اور ابن الفقیہ کے بیانات کی رو سے عراق کے حسب ذیل شہروں سے یہ چیزیں باہر بھیجی جاتیں:۔

حنا، بنفشہ، عرق گلاب، خزز کپڑا اور کھجوریں بصرہ سے۔ گندم، جو، شہد، نمک، سمانی، دراج اور پرند ابلہ سے۔ شیشے

کے برتن، ریشمی کپڑے، رومال، عمامے، تیل، ادویہ، خزف اور سوتی اقسمہ بغداد سے۔ روغن بنفشہ، کھجوریں، رومال، کوفی اور ریشمی کوفہ سے۔ اصیل گھوڑے اور خشک پھل موصل سے۔ قالین، پردے، نمدے میسان سے۔ تکیے، پردے اور قالین واسطہ سے۔ ترازو، بٹے، شہد، روئی حران سے۔ صابون، زیت اور قلمیں رقہ سے۔ کاجو، تین، انار حلوان سے۔ چٹائیاں عبادان سے۔ شیشے کے ٹکڑے، ترازو، بٹے، شاہ بلوط، رصاص، ادویات اور پھل نصیبین سے۔ صوف اور کتان کے کپڑے، رومال اور موشیہ کپڑے عراق کے علاوہ عباسی مملکت کے حسب ذیل ملکوں کو ان چیزوں کی تجارت میں خصوص حاصل تھا:۔

مصر، طرابلس، حمیر۔ خچر، بلسان کا تیل، عمدہ قسم کا تیل، عمدہ قسم کا زمرد، سوتی دھاگہ، اونی کپڑے، سوتی اور ریشمی ملبوسات۔

شمالی افریقہ۔ تلواریں، لونڈی غلام، سنجاب، سمور، فر، لبادے اور اونی ملبوسات۔

آرمینیہ۔ اونی کپڑے، اون، پردے، فرش، موٹے اور باریک قالین۔

شام۔ شیشہ، شیشے کے برتن، پھل، شکر، زیتون، روئی، ریشم، سوتی اور ریشمی کپڑے۔

یمن۔ خچر، گدھے، تلواریں، زرہیں، دیباج، عنبر، چادریں، چمڑا، کھالیں، زعفران، گلاب، بخور۔

مکہ، مدینہ اور ان کے ملحقات۔ نیزوں کے پھل، چوپائے، اونٹ، کھالیں، عربی گھوڑے۔

ایران اور اس کے ملحقات۔ زعفران، زمرد، شکر، سرمہ، چنبیلی کا تیل، عرق گلاب، پھل، ٹوپیاں، ابریشم، بلیں، کڑھے ہوئے کپڑے، اونی جبے، ململ، کتان کے کپڑے، قالین اور نمدے۔

بلادِ ماوراءالنہر۔ تلواریں، فر، سمور، سنجاب، اونی ملبوسات، ریشمی کپڑے، روئی اور کاغذ۔

اسلامی مملکت کے علاوہ عباسی دور میں چین، ہندوستان اور روم سے بھی ہمارا لین دین خوب ہوتا۔ عباسی تاجر چین، ہندوستان اور روم جاتے اور وہاں کے تاجر عراق، شام اور مصر آتے۔ خصوصیت سے بغداد سے ان تینوں ملکوں کے تجارتی تعلقات قائم تھے۔

روم سے رومی دیباج، چادول، قالین اور کتانی کپڑے بغداد لائے جاتے۔ ہندوستان سے، ہاتھی، جوزِ ہندی، آبنوس، سفید صندل اور کھالیں، عودِ ہندی، کافور، انگور، یاقوت اور موتی بغداد آتے۔

چین سے، کاغذ، دواتیں، کاٹھیاں، سونے چاندی کے برتن، قفل، مشک، دارچینی، لبادے، دیباج، ریشم اور ریشمی ملبوسات، عطر اور دوسری خوشبودار چیزیں عراق آتیں۔

گو اندلس ایک رقیب خاندان کے تسلط میں تھا، اس کے باوجود اندلس سے عباسی مملکت کا خوب لین دین تھا۔ وہاں کے تاجر یہاں آتے اور یہاں کے وہاں جاتے۔ وہاں سے حسب ذیل چیزیں عراق لائی جاتیں:۔

زئبق، برز، اقمشہ قطنیہ، درجواری۔

تجارتی راستے۔ تجارت پر چونکہ ہر مملکت کی ترقی و فلاح کا دارومدار ہے، اس لئے خلفائے بنی عباس کی طرف سے تاجروں کو

ہر دَور میں پوری سہولتیں مہیا کی گئیں خصوصیت سے مملکت کے اندر اور باہر جانے والی سڑکوں کی اس درجہ حفاظت کی جاتی کہ تجارت کے قافلے دن اور رات پورے اطمینان و یکسوئی کے ساتھ سفر کر سکتے۔

بغداد چونکہ دارالخلافہ تھا، اس لئے وہاں سے تمام مملکت کو راستے جاتے۔ عباسی دَور میں بغداد سے پانچ بڑی سڑکیں مملکت کے مختلف حصوں کو باہم ملاتیں، یہ سڑکیں حسب ذیل تھیں:—

شرقی۔ یہ سڑک بغداد سے حلوان، اور پھر وہاں سے ایران اور وسطی ایشیا کی طرف بڑھ جاتی۔

شمالی۔ یہ سڑک بغداد سے موصل اور جزیرہ کو جاتی۔

جنوبی۔ بغداد سے واسطہ اور واسطہ سے بصرہ جاتی۔

جنوبی و غربی۔ بغداد سے کوفہ اور کوفہ سے مکہ اور مدینہ جاتی۔

غربی۔ بغداد سے رقہ، رقہ سے شام اور شام سے مصر کو جاتی۔

ان سڑکوں کا اہتمام صاحب دیوان البرید کے ذمہ تھا۔ چونکہ یہ سڑکیں تجارتی اغراض کے علاوہ سرکاری کاروبار کے لئے بھی استعمال ہوتیں، اس لئے بھی ان کی خوب حفاظت ہوتی۔ تمام راستوں پر دو فرسخ کے فاصلے پر سرکاری چوکیاں قائم تھیں، اور ہر چوکی پر باقاعدہ پہرہ تھا۔ تاکہ برید اور تجارتی قافلے امن و سلامتی سے سفر کر سکیں۔

عموماً ایسا ہوتا کہ جب سرکاری ڈاک روانہ ہوتی، تو تاجر بھی اس قافلے ساتھ سفر کرتے۔ اسی سبب سے برید کا قافلہ چالیس سواریوں پر مشتمل ہوتا۔

شرقی سڑک۔ خراسان، بلاد ماوراء النہر اور شرقی یورپ کو جانے والے تجارتی قافلے شرقی سڑک کے لئے ہر صبح و شام رواں دواں نظر آتے۔ یہ سڑک بغداد سے ہمدان، قزوین، رے، نیشاپور، مرو، بخارا، سمرقند تک جاتی۔ آگے اس کی دو شاخیں پھوٹتیں۔ ایک خوارزم کو نکل جاتی اور دوسری چین کو۔ اس دور میں خوارزم اور بلغار کے مابین تجارتی قافلوں کی خوب آمد و رفت رہتی۔ روس سے بھی تجارتی تعلق قائم ہو چکا تھا۔ روس اور بلغار یہ سے فر، سمور، سنجاب، لومڑیوں کی کھالیں، گرم ٹوپیاں، تلواریں، زرہیں، شہد، شمعیں برآمد کی جاتیں۔

یہ بڑی قدیم سڑک ہے، اس کے ذریعے عربوں اور ان ایشیائی ممالک میں امویوں کے زمانہ سے تجارتی تعلق قائم ہو چکا تھا یہ تعلق بنو عباس کے زمانہ میں خوب بڑھا، اور اس لئے بڑھا، کہ خراسان اور بلاد ماوراء النہر کے بہت سے باشندے بغداد آن بسے تھے۔ اور یہ نیا تعلق باہمی تجارت پر خوشگوار اثر ڈالتا۔

جیسے کہ بغداد کے بازاروں کے باب میں عرض کیا جا چکا ہے، بغداد میں خراسان، بلخ، بخارا، مرو، اور اسی طرح کے دوسرے ناموں کے بازار قائم تھے۔ مسعودی نے ایک خاص تاجر گروہ کی طرف اشارہ کیا ہے جو فن لینڈ کا رہنے والا تھا۔ یہ فن لینڈی تاجر بلغار اور خود سے خوبصورت اور سبز مغر، خراسان کے رستے بغداد لاتے۔

ابن خرداذبہ صقالبہ کی ایک تاجر جماعت کا ذکر کرتا ہے، جو تلواریں اور فریں لے کر بحرِ قزوین کے ساحل پر اُترتے اور وہاں سے اپنا سامان خچروں پر لاد کر بغداد لاتے۔

بحری تجارت

عراق کی اندرونی تجارت زیادہ تر دریائی رستوں کے ذریعہ ہوتی۔ کیونکہ اس طرح سفر کم وقت میں طے ہوتا اور آسانیاں بھی رہتیں۔ دجلہ اور فرات دونوں میں چلنے والے جہاز اور کشتیاں، بغداد، موصل، واسط اور بصرہ کے درمیان ہر آن چلتی نظر آتیں ان میں سے زیادہ تر کشتیاں سامانِ تجارت سے لدی ہوتیں۔

دجلہ فرات کی نسبت زیادہ چوڑا دریا ہے، اس لئے اس میں جو کشتیاں چلتیں وہ کافی بڑی ہوتیں خصوصیت سے بغداد اور بصرہ کے درمیان بڑے بڑے جہازوں کی آمد و رفت رہتی۔ خلیج فارس سے جو جہاز تجارتی مال لے کر دجلہ میں داخل ہوتے وہ بڑی سہولت اور سرعت کے ساتھ بغداد تک بڑھتے چلے آتے۔ عموماً یہ جہاز ایک دن میں دو فرسخ کا فاصلہ طے کرتے۔

زیادہ تر آمد و رفت چونکہ دریائی ہوتی۔ اس لئے اندازہ کیا گیا ہے کہ ۳۳۵ھ کے قریب بغداد میں تیس ہزار کشتیاں اس کام میں آتیں۔ جو کشتیاں بغداد سے بصرہ جاتیں، وہ مدائن، دیر العاقول، جرجرایا، جبل اور فم الصلح سے ہوتی واسط تک پہنچتیں۔ بغداد سے واسط تک جانے والی کشتیوں کا حجم نسبتاً زیادہ ہوتا، واسط سے تمام تجارتی مال بڑی کشتیوں سے چھوٹی کشتیوں میں منتقل کر دیا جاتا، اور یہ کشتیاں سامان لے کر بطیحہ میں داخل ہو جاتیں۔ یہاں پانی نسبتاً کم ہوتا، بول پہنچ کر پانی صاف ہو جاتا۔ وہاں سے کشتیاں بازدرد جاتیں۔ وہاں سے نہرابی الاسد میں داخل ہوتیں۔ پھر دجلہ عوراء میں اُترتیں پھر نہرِ معقل میں آتیں، اور پھر بصرہ تک رسائی پاتیں۔

مقدسی کے بیان سے بھی اس چیز کے بیان کی تائید ہوتی ہے، کہ بغداد سے واسط تک بڑے جہاز استعمال میں آتے۔ وہاں سے تمام تجارتی سامان فرات کے ذریعہ بھی آتا جاتا۔ فرات میں سامانِ تجارت لانے لے جانے والی کشتیاں چھوٹی ہوتیں۔

بہرحال ان دریاؤں کے سبب عراق کی اندرونی تجارت میں بڑی آسانیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ درحقیقت عراق کی اندرونی تجارت کا انحصار زیادہ تر ان ہی دریاؤں پر تھا۔ برّی قافلے بھی مال لاتے لے جاتے۔ لیکن یہ سفر زیادہ تکلیف دہ بھی ہوتا اور لمبا بھی۔ اس لئے عام تاجر دریائی سفر کو برّی پر ترجیح دیتے۔ البتہ ان راستوں پر جہاں دریاؤں سے سفر ممکن نہ تھا، ساری تجارت برّی ہوتی۔

بصرہ بحری تجارت کا سب سے بڑا مرکز تھا جو تاجر بیرونی دنیا سے تجارت کرتے، وہ بغداد سے بصرہ آتے، اور پھر بصرہ سے بحیرہ سفید، بحیرۂ احمر اور بحیرہ ہند کی سطح پر بہنے والے بڑے جہازوں میں سوار ہو جاتے۔ اور ملک ملک پہنچتے۔ اس وقت کے تجارتی جہازوں کا حجم گو آج کل کے معمولی جہازوں اتنا بھی نہ ہوتا۔ اس کے باوجود اس وقت کی جہاز رانی نے کافی ترقی کر لی تھی۔

سیاح ابن جبیر کی روایت کی رُو سے بصرہ سے سفر کرنے والے جہاز عموماً سفید رنگ کے ہوتے۔ اور وہ جہاز جو چین کے سفر پر روانہ ہوتے، کافی بڑے بڑے ہوتے، ان کے پیندے کی سطح پانی سے اس درجہ اونچی ہوتی، کہ ان سے چڑھنے کے لئے سیڑھیاں

استعمال کی جاتیں، جن کے دس دس قد لمبے ہوتے۔

جو جہازران ان جہازوں کو لے کر دور دراز کے ملکوں کے سفر کرتے ان میں زیادہ تعداد عراقیوں کی تھی۔ بحیرہ ہند میں سفر کرنے والے جہاز صرف سردیوں میں سفر کرتے۔ گرمیوں میں پانی کے تموج کے سبب سفر نامناسب سمجھا جاتا۔

ان دنوں ہندوستان سے کافی تجارت ہوتی۔ عرب تاجر بصرہ سے جہازوں میں بیٹھ کر ہندوستان آتے۔ دیبل اور ملتان پہنچتے۔ اپنا سامان بیچتے اور وہاں کا سامان خرید کر ساحل پر آتے، جہازوں میں لدتے اور بصرہ کا رُخ کرتے۔ بصرہ سے جو جہاز چین روانہ ہوتے، وہ بڑا لمبا راستہ اختیار کرتے پہلے وہ مسقط جاتے پھر دیبل، پھر خلیج بنگال میں داخل ہوتے۔ بنجبالوس، کلہ بار ہوتے ہوئے جزیرہ سوماٹرہ پہنچتے، وہاں سے کندرانج، صنف اور صندر فولات سے گزرتے بحیرہ چین میں داخل ہوتے۔

مؤرخ یعقوبی کا بیان ہے کہ تیسری صدی ہجری میں چین اور بصرہ کے درمیان بحری آمد و رفت کا سلسلہ جاری تھا، چینی جہاز بصرہ آتے اور بصرہ کے جہاز چین کا سفر کرتے۔

مسعودی کہتے ہیں کہ مسلمان تاجر اور چینی تاجر کلہ بار میں اپنے اپنے سامانِ تجارت کا ایک دوسرے سے تبادلہ کر لیتے تھے۔ یہ مقام دونوں طرف کے تاجروں کے ملنے کی جگہ قرار پا گئی تھی۔

جیسا کہ ہم نے پیچھے عرض کیا، عاج، کہربا، کافور، یاقوت، ختو، اود عطر، مشک اور ریشم اور ریشمی ملبوسات چین سے برآمد کئے جاتے۔ ابنِ خردازبہ کی روایت کے مطابق عرب تاجر کوریا کا سفر بھی کرتے۔

بصرہ سے بحیرۂ احمر کا سفر ہر موسم میں ممکن تھا، البتہ یہ سفر پُرخطر ہوتا۔ بحری ڈاکو کبھی کبھی جہاز لوٹ لیتے۔ اس لئے تاجروں کو بڑا سامان کرنے کی ضرورت ہوتی۔ ایک جماعت ایسی ساتھ رکھنی پڑتی، جو ڈاکوؤں سے بوقتِ ضرورت لڑ سکتی۔

مختصر یوں سمجھئے کہ عباسیوں کے زمانہ میں بغداد کا تجارتی تعلق قریب قریب تمام معلوم دُنیا سے قائم ہو چکا تھا، بغداد کے تاجروں نے اس بین الاقوامی تجارت سے بہت دولت کمائی تھی۔ خصوصیت سے ان تاجروں کی دولت کا تو شمار نہ تھا، جو ہیرے جواہرات کی تجارت کرتے۔

ہارون کے زمانہ میں یہ تجارت خوب چمکی تھی، اور بغداد میں ایسے بڑے تاجر موجود تھے جن کے پاس لاکھوں دینار کی مالیت کے جواہرات ہر وقت رہتے۔ اور یہ اس لئے رہتے کہ عباسی خلفا، شہزادیوں اور وزراء اور وزیر بیگموں کو جواہرات خریدنے کا خوب شوق تھا۔ شاہی خاندان کی بیگمات میں کئی ایسی تھیں جن کے پاس لاکھوں دینار کی قیمت کے جواہرات تھے مثلاً مہدی کی بیوہ خیزران کے پاس اتنے جواہرات تھے کہ ان کی قیمت کسی کو معلوم نہ تھی۔ ہارون کی بیوی زبیدہ کے جوتے تک میں جواہرات ٹکے ہوتے، ہارون کی بہن عباسہ کے پاس کئی جواہرات تھے۔ خود ہارون نے اپنی انگوٹھی کے لئے سُرخ رنگ کا ایک یاقوت خریدا تھا۔ جس کی قیمت چالیس ہزار دینار تھی۔ ایک اور موتی اس نے ایک لاکھ بیس ہزار درہم میں خرید کیا تھا۔ جعفر، فضل اور یحییٰ کے گھروں میں بھی جواہرات کی بہتات تھی۔ فخری نے ایک علوی محمد بن ابراہیم کا ذکر کیا ہے۔ جو دس لاکھ درہم کے عوض جواہرات

کی ایک تھیلی نفضل کے پاس گرو رکھنے کے لئے آیا تھا۔

مامون کی شادی جب بوران سے ہوئی، تو بوران کی دادی نے مامون کی مُنہ دکھائی کے لئے ایک ہزار جواہرات ماموں کی جھولی میں ڈالے تھے۔

معتصم نے اپنے ایک چہیتے غلام کو موتیوں کا تاج پہنایا تھا۔ اسی طرح واثق نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ معتضد کے بعد شاہی محلات جواہرات کے مخزن بن گئے تھے۔ معتز کی ماں پر جب صالح نے قبضہ کیا، تو اس کے پاس سے جواہرات کی تھیلیاں برآمد ہوئی تھیں۔ مکتفی کے خزانہ سے جواہرات کے انبار کے انبار مقتدر کے ہاتھ آئے تھے۔

بہرحال اس روئداد سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ کہ عباسیوں کے زمانہ اقتدار میں جواہرات کی تجارت نے خوب فروغ پایا تھا۔ اور ابن الجصاص قسم کے جوہری عالم وجود میں آ گئے تھے۔ جن کی دولت و ثروت بادشاہوں سے کم نہ تھی۔ التنوخی نے نشوار المحاضرہ میں بن الجصاص کا ایک قصّہ لکھا ہے۔ کہ کس طرح ایک قہرمانہ دو سو داتوں کا ایک ہار لائی، جس کی قیمت دو لاکھ دینار تھی۔

ابن الجصاص بعد میں بغداد چلا آیا تھا۔ جواہرات کی تجارت سے اس کے پاس بے اندازہ دولت جمع ہو گئی تھی۔ مثلاً جب ۲۹۶ھ میں اس پر جرمانہ کیا گیا، تو حالانکہ اس جرمانہ کی رقم ایک کروڑ ساٹھ لاکھ دینار تھی، پھر بھی اس کے پاس بارہ لاکھ دینار باقی رہ گئے تھے۔ اس سرمایہ سے اس نے اپنے کاروبار کو پھر پھیلایا اور اس درجہ دولت جمع کر لی کہ ابن الفرات جیسے وزیر کو اپنی مٹھی میں بند کر لیا تھا۔

جواہرات کے تاجروں کے علاوہ کئی اور تاجر چوتھی صدی ہجری میں ایسے پیدا ہو گئے تھے، جن کے پاس بے اندازہ دولت تھی۔ نشوار المحاضرہ میں ایک اور تاجر کا حال لکھا ہے جس کی دوکان میں دو لاکھ دینار کا سامان تھا۔ اسی طرح ایک اور تاجر تھا جسے لوگ تاجر بصری کہتے۔ اس کے پاس دو کروڑ دینار تھے۔ ایک بغدادی تاجر کی جب تلاشی ہوئی تو اسی ہزار دینار کنوئیں سے مدفون نکلے۔

ابو الفضل دمشقی نے اس دور کے تاجروں کی تین قسمیں بیان کی ہیں:۔

(۱) الرکاض (۲) الخزان (۳) المجہز

الرکاض وہ تاجر تھے، جن کی تجارت کا دامن مختلف ممالک تک پھیلا تھا۔ ان کی دوکانیں مختلف مقامات پر کھلی ہوتیں جیسے کہ ان دنوں بعض بڑی تجارتی فرمیں اپنی شاخیں مختلف تجارتی شہروں میں کھول رکھتی ہیں۔ الرکاض تاجروں کے سامان ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچاتے اور اپنا منافع وصول کرتے۔ یہ ایک طرح کے کمیشن ایجنٹ بھی ہوتے۔

الخزان۔ ذخیرہ اندوزوں کو کہا جاتا۔ جو مناسب اوقات میں جب بازار میں مانگ کم ہوتی مختلف اشیاء کے ذخیرے خرید لیتے۔ اور اس وقت تک انہیں روکے رکھتے، جب تک مناسب قیمتیں رونما ہوتیں۔ ان تاجروں کی معلومات

بہت وسیع ہوتیں، انھیں ملک ملک کی منڈی کے بھاؤ معلوم ہوتے۔ وہ اپنی ان معلومات سے خوب فائدہ اٹھاتے۔ کبھی کبھی یہی تاجر بعض چیزوں کے سارے کے سارے ذخیرہ پر قابو پالیتے۔ اور منڈی ان کی محتاج ہو جاتی۔ التنوخی نے ایک تاجر کی مثال لکھی ہے کہ اس نے زیتون کا ایک ذخیرہ دس ہزار دینار میں خریدا، منڈی میں چونکہ زیتون نہ تھا، اس لئے اس نے یہی ذخیرہ بیس ہزار میں فروخت کیا۔

المجہز۔ وہ تاجر تھے، جو ایک جگہ سے دوسری جگہ کا سفر تو نہ کرتے، مرکز ہی میں بیٹھے رہتے، لیکن مختلف مقامات پر ان کے ایجنٹ موجود ہوتے، جو ان کی طرف سے ان کے سامان کو بیچتے اور بیچ کر انہیں قیمت ادا کر دیتے۔

ان تین قسموں کے علاوہ دلال بھی ہوتے۔ یہ دلال باہر کے تاجروں کا مال مقامی منڈیوں میں فروخت کرنے میں ان کی رہنمائی کرتے اور کمیشن لیتے۔ جیسے کہ ان دنوں ہوتا ہے) امام غزالیؒ نے اس دور کے تاجروں کی ایک اور صنف بھی بتائی ہے یہ وہ تاجر تھے جو آج کی طرح مشترکہ تجارت کرتے۔

آج کل کی طرح اس دور میں بھی کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو خود تو تجارت نہ کرتے، لیکن اپنا سرمایہ دوسرے لوگوں کو تجارت کے لئے دے دیا کرتے۔ اس کی کئی صورتیں تھیں۔ مثلاً ایک صورت یہ تھی، کہ سرمایہ ایک کا ہوتا، دوسرا اس سے تجارت کرتا، دونوں ایک معاہدہ آپس میں کر لیتے، کہ نفع میں ان کے حصہ کی شرح یہ ہوگی۔ اس میں نفع کا یقین نہ ہوتا۔ مگر نقصان ہوتا تو صاحب مال پر اس کا بوجھ پڑتا۔ کام کرنے والے پر اس کی کوئی ذمہ داری نہ ہوتی۔ دوسرا طریقہ یہ تھا کہ سرمایہ دار غریب تاجر کو کوئی رقم مخصوص شرح منافع پر قرض دے دیتا۔ اسے نقصان سے کوئی سروکار نہ ہوتا۔ وہ ہر صورت میں اس خاص شرح نفع کا مطالبہ قرضدار سے کر سکتا تھا۔

تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں اس کا بھی کافی رواج ہو چکا تھا۔ اور صرافوں یا ساہوکاروں کا ایک اچھا خاصا گروہ وجود میں آچکا تھا۔ جو اپنا روپیہ اس طرح لوگوں کو قرض دیتا۔ التنوخی اور الصومی نے اس کی کئی مثالیں دی ہیں۔

خود تاجر ایک دوسرے کو قرض دینے کے عادی بھی تھے۔ بعض تاجر ایسے بھی تھے، جو اپنے مقروض کو سہولتیں بھی مہیا کرتے یکمشت روپیہ وصول کرنے کی بجائے ادائیگی کے لئے آسان قسطیں مقرر کر دیتے۔ اس کے علاوہ بعض تاجر اپنا سامان نقد قیمت پر بیچنے کی بجائے اُدھار پر بیچ دینے کے بھی عادی تھے۔ اس قسم کے سودے کبھی تو باہمی سمجھوتہ پر ہو جاتے۔ اور کسی ضمانت کی ضرورت نہ ہوتی۔ کبھی قرض لینے والے کو ضامن بھی پیش کرنے پڑتے۔

مختصر یوں سمجھئے کہ بنو عباس کے آخری دور میں جو تیسری صدی کے ختم کے بعد شروع ہوا۔ بغداد اور دوسرے شہروں میں تاجروں کا ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا تھا۔ جو ساہوکارہ کا کام کرتا، اور جس سے نہ صرف تاجر بلکہ بعض دفعہ حکومت بھی بڑی بڑی رقمیں قرض لیتی۔ اور ان ساہوکاروں کو اس قرض پر منافع دیتی۔ مثلاً علی بن عیسیٰ جن لوگوں سے قرض لیتا انہیں ایک درہم فی دینار کے حساب سے منافع دیا کرتے۔ ساہوکار منافع کی یہی شرح دوسرے لوگوں سے بھی وصول کرتے۔

ساہوکارہ کا یہ لین دین چوتھی صدی ہجری میں بہت کافی ترقی کر گیا تھا، اور عموماً بڑے بڑے سودے ان ہی ساہوکاروں کی معرفت طے ہوتے یہی ہنڈیاں توڑتے اور یہی بڑی بڑی رقموں کی ضمانتیں دیتے۔ یہ بڑے لوگوں کے روپے بھی اپنے پاس جمع رکھتے۔ ان کا ایک کام یہ بھی تھا، کہ بغداد کا ایک تاجر اگر خراسان جانا چاہتا، اور راستہ کے خطرات کے سبب نقد روپیہ ساتھ نہ لے جانا پسند کرتا، تو یہ صرافے یا ساہوکار اس کا روپیہ خود لے لیتے، اور اسے ایک رقعہ دے دیتے، اس رقعہ کی بنا پر اس صراف کے ایجنٹ اسے خراسان میں رقم ادا کر دیتے عربی میں اس طریقِ کار کو سفتجہ کہتے، چوتھی صدی ہجری میں اس طریقِ کار نے بہت کافی فروغ پا لیا تھا۔ اور اس کے ذریعہ تجارتی معاملات میں بڑی سہولت پیدا ہو گئی تھی۔ اکثر ایسا ہوتا، کہ لوگ سفتجہ کے ذریعہ اپنے قرضے بھی ادا کرتے۔ مثلاً اہواز کے ایک شخص نے ایک ہزار دینا سفتجہ کے ذریعہ ادا کئے۔ تنوخی نے ایسی ہی ایک مثال اور بھی دی ہے۔ جب ایک شخص نے سات ہزار دینار کا سفتجہ حاصل کیا تھا۔

سفتجہ کے لئے عموماً ایک مدت مقرر کی جاتی، اس مدت کے دوران میں جب بھی سفتجہ رکھنے والے شخص کا جی چاہتا، رقم وصول کر لیتا۔ اس سفتجہ پر ایک خاص کمیشن یا کٹوتی ادا کی جاتی تھی، مثلاً علی بن عیسیٰ ہر دینار پر ایک دانق کٹوتی ادا کیا کرتے۔

ہوتے ہوتے سفتج نے "سفری چکوں" کی حیثیت حاصل کر لی، اور عام تاجر اپنے شہر کے بڑے ساہوکاروں سے سفتج لے کر تجارتی سفر کرنے لگے۔ تنوخی نے ایسے ایک شخص کی مثال دی ہے، جو سفر کر رہا تھا، اور اس کے پاس سوائے پانچ ہزار دینار کے سفتج کے اور کوئی رقم نہ تھی۔

سفتج کے علاوہ چک بھی عباسی دور میں متعارف تھے۔ چک اصل میں فارسی لفظ ہے۔ غالباً اس کا استعمال اسلام سے پہلے بھی ہوتا تھا، اور یہ کوئی بعید از قیاس بات نہیں، اس دور میں ساہوکارہ نظام خوب رائج تھا۔ اور امراؤ سلاطین ساہوکاروں کے پاس اپنا روپیہ امانت رکھتے اور وقتِ ضرورت رقعوں یا چکوں کے ذریعہ وہ اس روپے کو خرچ کرتے رہتے۔

یعقوبی کا بیان ہے کہ حضرت فاروقؓ پہلے خلیفہ تھے، انہوں نے چک استعمال کئے، اور چکوں کے نچلے حصوں میں اپنی مہریں ثبت کیں۔ عباسی دور میں چکوں کا استعمال ہوتا۔ بادشاہ جن لوگوں کو دینا چاہتے، انہیں اس مضمون کے چک دیا کرتے:-

حامل رقعہ ہذا کو خزانہ سے اتنے یا اتنے روپے دے دئے جائیں۔

التنوخی صاحب نشوار المحاضرہ کا بیان ہے کہ عباسی دور میں چکوں کے ذریعہ خرید و فروخت بھی ہوتی۔ مثلاً فضل بن یحییٰ نے ایک جائداد دو لاکھ درہم میں خریدی، قیمت نقد ادا کرنے کی بجائے دو لاکھ کا چک کاٹ دیا۔

معلوم ہوتا ہے کہ عموماً شہزادوں اور بڑے آدمیوں کو چکوں کے ذریعہ ہی تنخواہ دینے کا قاعدہ جاری ہو گیا تھا۔ واثق کے جانشین المتوکل اور ابن زیات اور عمر بن فرج کے مابین دشمنی کی تفصیل بیان کرتے ہوئے طبری لکھتا ہے۔ کہ المتوکل شہزادگی کے زمانہ میں عمر بن فرج کے پاس آئے کہ ان سے کہہ کر اپنی تنخواہ کے چک پر مہر لگوا لیں عمر بن فرج مسجد میں بیٹھے تھے،

دہلیں المتوکل جعفر، پہنچے۔ عمر بن فرج نے جعفر سے چک لیا اور یہ چک نفرت کے ساتھ دستخط کئے بغیر فرش پر پھینک دیا۔

طبری کے اس بیان سے جہاں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ شہزادوں اور دوسرے بڑے لوگوں کو تنخواہیں چکوں کے ذریعہ دی جاتیں۔ وہاں یہ بھی معلوم ہوا، کہ چک جاری کرنے والے دفاتر الگ تھے، جہاں سے تاریخ مقررہ سے پہلے ہی چک جاری ہو جاتے۔ لیکن ان چکوں کی اس وقت تک کوئی قیمت نہ تھی، جب تک ان پر مالیات کے حاکم نگران کے دستخط نہ ہو جاتے۔ عمر بن فرج واثق کے زمانہ کے مشیر مالیات تھے۔ اس لئے ان کے دستخط چکوں پر کرانے لازمی تھے۔

طبری کے اس بیان سے ایک اور بات بھی واضح ہوتی ہے کہ عمر بن فرج کے دستخط ہر بڑے افسر کی تنخواہ کے چک پر ضروری تھے۔ مثلاً جب جعفر نے عمر بن فرج کے اس رویہ کی شکایت ابو الوزیر احمد بن خالد سے کی۔ جو عمر بن فرج کے افسرِ اعلیٰ تھے، تو انہوں نے خود یہی شکوہ کیا، انہوں نے خود یہی بات جعفر سے کی، کہ میں اس کا افسر ہوں، مگر میری تنخواہ کے چکوں پر بھی دستخط کرتے وقت یہ شخص ایسا ہی کرتا ہے۔

چکوں کا یہ رواج آگے چل کر اور زیادہ ہوا، معتضد اور مکتفی کے دور میں سلیمان بن الحسن بن مخلد، اور ابن الفرات اپنے خزانچیوں کے نام عموماً چک کاٹتے۔ مثلاً سلیمان بن الحسن نے ایک دن میں سولہ سو دینار کے چک کاٹے۔

عموماً لوگ روزانہ کا لین دین بھی چکوں کے ذریعہ کرنے لگے تھے۔ مثلاً مسکویہ کہتے ہیں کہ ۳۲۳ھ ہجری میں ایک شخص نے نو درہم کا چک کاٹ کر دیا۔

تہذیب و تمدنِ اسلامی

مصنفہ مولانا رشید اختر ندوی

قیمت حصہ اول عہ۔ دوم سے۔ سوم عہ

اسلام کا نظریۂ تعلیم

مصنفہ ڈاکٹر محمد رفیع الدین صاحب

قیمت ایک روپیہ

اسلام میں حیثیتِ نسواں

مصنفہ محمد مظہر الدین صاحب صدیقی

قیمت تین روپے

اسلام کا معاشی نظریہ

مصنفہ محمد مظہر الدین صاحب صدیقی

قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے

ملنے کا پتہ

سکرٹری ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور